ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

ڈراما
(آغاز و عناصر، تحقیقی جائزہ)

1۔ڈاکٹر ظفر علی قریشی

آفیسر، نیشنل بینک آف پاکستان،

ڈی ایچ اے 6 برانچ، لاہور

2۔ڈاکٹر عطاء الرحمان میو

ایسوسی ایٹ پروفیسر،

لاہور گیریژن یونی ورسٹی، ڈی ایچ اے 6 لاہور

ABSTRACT:

Drama is a unique and dynamic art form that has been a comerstone of human expression and storytelling for centuries. Through its various forms, including theater, performance, and play, drama has the ability to captivate, inspire and challenge audiances, offering a window into the human experience. The abstract explore the significance of drama in understanding human emotions, conflicts, and relationships, highlithing its capacity to:

-Portray complex charectors and stories

- Evoke emotions and empathy

- Explore social and cultural issues

- Provide a platform for self expression and reflection

By examining the elemnts of drama including plot, character development, dialogue, and performance, we can gain insight into the human condition, fostering, a deeper understanding of ourselves and others. Ultimately, drama has the power to transform, educate and unite us. Making an essential part of our shared cultural heritage.

کلیدی الفاظ:

فنون، آفاقی شاہکار، نقالی، تمثیل، ڈرامائی ادب، راسخ الا عتقاد، ادبی چارہ گر، تزکیہ نفس، صوت، آہنگ، ناقدین، موزونیت، غمازی، متخاطب، سامع، محرکات، ہیجانی کیفیت، اخراج، مستور، زوق عریانی، جبلت، حرکت و جنبش، مفہوم، مفروضات، ڈرامائی عمل، روپک، فطری مظاہر، نوٹنکی، پرستش، بے بہرہ، تریجڈی، پوجا پاٹ، روایتی ہیئت، زمینی حقائق، حقیقت پسندی، طربیہ، موجد، ریڑھ کی ہڈی، ارتقائی ترتیب، اجزائے ترکیبی، کشمکش، تذبذب، نقطہ عروج، فطری ربط، اکہرے، تہہ دار، مخلوط پلاٹ، انحراف، تنزل تمہید، تصادم، یک لخت، بیانیہ منظر، الجھاؤ، انجام بخیر، انحطاط، ہیجان، اینٹی کلائمکس، تعمیر نو، المیہ، تخلیقی تجربے، ابلاغ، منطقی اصول، باہمی ربط، مطبوعہ نسخے، رہس، محو حیرت، جگر، دلبر، محسن و عیوب، ضخیم، قصہ پن، طبع زاد، مستعمل، سوانگ، متن، فنی جائزہ، لسانی جائزہ، بے راہروی

ڈراما کی تعریف:

ڈراما دنیا ادب میں قدیم فنون میں شمار ہوتا ہے۔ صنف ادب کے حوالے سے بھی یہ عالمی ادب میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے تو بے جانہ ہو گا کہ عالمی ادب کے بہت سے آفاقی شہکار ڈراما کی صنف میں ہی لکھے گئے ہیں۔ ڈراما یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے "کر کے دکھانا"۔ ڈراما وہ صنف ادب ہے جس میں انسانی حقائق اور سچائیوں کو سٹیج پر فنکاروں کے ذریعے نقالی کر کے دکھایا جاتا ہے بالفاظِ دیگر ڈراما تماشائیوں کے سامنے سٹیج پر اداکاروں کے ذریعے کوئی کہانی پیش کرنے کے عمل کو کہتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

ڈراما کو عربی اور فارسی میں "تمثیل"، سنسکرت اور ہندی زبان میں "ناٹک" کہا جاتا ہے۔ یہ ایک اہم بات ہے کہ تمثیل کا لفظ فارسی سے عربی میں آیا لیکن عربی اور فارسی ادب میں اس لفظ کو تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی ممالک یا اسلامی ادب میں ڈراما کا فقدان ہے۔ عہدِ قدیم میں ڈراما کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو دنیا میں اس کے دو بڑے مرکز تھے، ایک یونان اور دوسرا ہندوستان۔ البتہ ان مراکز کے ڈراموں کی اپنی اپنی الگ الگ روایات تھیں۔ اسی طرح ڈراما کی پیشکش کے اصول وضوابط میں بھی فرق تھا۔ یونانی ڈراما کے قواعد کا تعین سب سے پہلے ارسطو نے اپنی کتاب "بوطیقا" میں کیا۔ اسی طرح ہندوستانی ڈراما اصولوں پر مبنی اولین تصنیف بھرت منی کی "ناٹیہ شاستر" کو مانا جاتا ہے۔ اگرچہ سنسکرت ڈراما کے بارے میں ہندوستانی ادب میں بہت کچھ لکھا گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ سنسکرت عوامی زبان نہیں بلکہ خواص کی زبان تھی اس لئے ڈرامائی ادب میں اس کا دائرہ کار محدود رہا۔ جب مسلم حکمران انڈیا میں آئے تو سنسکرت ڈراما اپنی آخری ہچکیاں لے رہا تھا۔ اسی لئے ڈراما کی یہ بدقسمتی رہی کہ مسلم دور کے آغاز میں روایت موجود ہونے کے باوجود ڈراما کو فروغ نہ مل سکا۔ ایک دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ اسلام میں ناچ گانا نقالی وغیرہ بھی ممنوع سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا یہ صنف معاشرتی پزیرائی سے محروم رہی۔ ڈاکٹر عبد اللطیف کا خیال ہے کہ:

> "موسیقی کی طرح ڈرامے کو بھی راسخ الاعتقاد مسلم فرقے نے ہمیشہ بُرا سمجھا۔ کیونکہ مذہبی علماء نے بحیثیت فن دونوں کی مذمت کی۔ اس وجہ سے عربی اور فارسی شعراء نے اس موضوع کو کبھی نہ چُھوا۔ ڈرامے کو مسلمانوں کی سماجی زندگی میں کوئی حیثیت حاصل نہیں ہوئی"(1)

عالمی ڈرامائی ادب کے لحاظ سے اردو ڈراما کی عمر بہت کم ہے۔ اس صنف پر ادبی چارہ گروں نے بھی کم توجہ دی۔ اور اس کی ایک اہم وجہ تو یہ رہی کہ اسے اردو ادب میں سنجیدہ صنف نہیں سمجھا جاتا تھا۔ تاہم اب عہد رواں میں اس کی ادبی اہمیت حرف مسلم ہو چکی ہے، بلکہ انٹرنیٹ، موبائل اور میڈیا کے اس دور میں ڈراما نے ادبی اور فنی اعتبار سے اپنا اہم مقام بنا لیا ہے۔ ڈراما اب سٹیج سے آگے بڑھ کر ٹی وی سکرین کے ذریعے گھر کا فرد بن چکا ہے۔ خاص طور پر خواتین کی ڈراما سے دلچسپی نے اس کو فروغ دیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ڈراما اب ہمارے سماجی مسائل کو پیش کرنے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ ہمارے معاشرے میں کتاب بینی ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اب تو یہ بات ضرب المثل بن گئی ہے کہ "یہ آخری صدی ہے کتابوں سے عشق کی"۔ ایسی افسوس ناک صورِ حال میں اگر یہ کہا جائے کہ ڈراما ہی وہ صنف ادب ہے جس کے ذریعے ہماری تحریریں عوام تک پہنچ رہی ہیں تو بے جا نہ ہو گا۔ یہ ڈرامائی تحریریں کتب بینی کی گرتی ہوئی صورتِ حال کا ادبی متبادل ہیں۔ پچھلی دو دہائیوں سے نئے ڈراما نگار بھی ادبی اُفق پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ الغرض ڈرامے کا مستقبل کافی روشن محسوس ہو رہا ہے۔ ڈراما صرف مکالموں کی شکل میں لکھے ہوئے جملوں کا نام نہیں نہ ہی حرکت کرتے ہوئے کرداروں کا مجموعہ۔ ڈراما محض تفریح نہیں۔ یہ کہیں انسان کے تزکیہ نفس کی عکاسی کرتا ہے تو کبھی تخیل کی معراج کو چھولیتا ہے۔ اس میں زندگی کے بہت سے عناصر جلوہ گر ہیں مثلاً رنگ، صوت، موسیقی، روشنی، آہنگ، شور، مناظر فطرت، سکوت وغیرہ۔ لہٰذا اس کی واضح اور دوٹوک تعریف کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ بہر حال ادبی چارہ گروں نے اپنے تئیں قدم بہ قدم جو تعریفیں کی ہیں اِن پر نظر ڈالتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی رُو سے:

> "لفظ ڈراما اس یونانی لفظ سے لیا گیا ہے جس کے معانی ہیں "کر کے دِکھائی ہوئی چیز"(1)

یونانیوں نے ڈرامے کو جو کچھ سمجھا اس کا اظہار خود اس لفظ کی ساخت سے ہوتا ہے۔ یونانیوں کے نزدیک ڈرامے کا سب سے بڑا اور بنیادی عنصر اس کی یہی خصوصیت ہے کہ جو کچھ لکھا جائے اسے کر کے دِکھایا جائے۔ یہ ڈرامے کی بڑی سیدھی سادی واضح اور روشن تعریف محسوس ہوتی ہے۔ شیڈن چینی (Sheden Chaini) لکھتا ہے کہ:

> "ڈراما اس یونانی لفظ سے ماخوذ ہے جس کے معانی ہیں "میں کرتا ہوں اور جس کا اطلاق "کی ہوئی چیز" پر ہوتا ہے۔"(3)

رحمان مذنب کہتے ہیں:

> "ناقدین ڈراما اس بات پر متفق ہیں کہ ریت RITUAL نے ڈرامے کو جنم دیا۔ یونانی زبان میں ریت کو DROMENOS کہتے ہیں جن کے معانی ہیں "کیا ہوا "اور کی ہوئی چیز پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔"(4)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

ڈراماڈورک بوبی کے لفظ ڈرینDRAIN کے مترادف ہے جس کے معانی "کرنا" یا "عمل" ہے۔(5)

بوطیقا میں ارسطو نے مجموعی طور پر ڈرامے کی کوئی تعریف پیش نہیں کی لیکن اگر ڈراما سے متعلق اس کے خیالات کو مدِ نظر رکھیں تو اس کی تعریف اسلم قریشی کے بقول اس طرح مرتب کی جاسکتی ہے:

"ڈراما انسانی افعال کی ایسی نقالی ہے جس میں الفاظ، موزونیت اور نغمے کے ذریعے کرداروں کو محوِ گفتگو اور مصروفِ عمل ہو بہو ویسا ہی دِکھایا جائے جیسے کہ وہ ہیں یا ان سے بہتر یا بدتر انداز میں پیش کیا جائے۔"(6)

درج بالا تعریفات کی روشنی میں ڈرامے کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے:

"ڈراما کسی واقعے یا قصے کو اداکاروں کے ذریعے تماشائیوں کے رُوبرو پھر سے عملاً پیش کرنے کا نام ہے۔"

انتہائی مختصر تعریف یہ بھی ہوسکتی ہے "ACTION REPLAY"

ان تمام تعریفات میں "کرنا"، "کیا ہوا"، "کرکے دِکھائی ہوئی چیز"، "پیش کرنا"، "دِکھانا" جیسے الفاظ کی تکرار ہے، جس سے ڈرامے میں عمل کی اہمیت کی غمازی ہوتی ہے۔ یہی چیز ڈرامے کو دیگر اصناف ادب سے منفرد کرتی ہے۔ ہم نے "ادب برائے ادب" اور "ادب برائے زندگی" کے لفظ تو سنے ہیں۔ اگر ڈرامے کو "ادب برائے عمل" کہہ دیا جائے تو بے جانہ ہوگا۔ ہم اسے ادبی اصطلاحات میں نیا اضافہ سمجھ کر شامل کرسکتے ہیں۔

دراصل ڈراما اپنے اندر کہانی تو رکھتا ہے لیکن یہ ناول یا افسانے کی طرح تحریری ادب نہیں ہے۔ جو لکھے یا پڑھے جانے کی حد تک محدود ہو، اس کا اسٹیج سے گہرا رشتہ ہے۔ سٹیج، ڈرامے کا اٹوٹ انگ ہے۔ یہ مکمل اسی وقت ہوتا ہے جب اسے اداکاروں کے ذریعے سٹیج پر عملاً پیش کر دیا جائے۔ محمد حسن کہتے ہیں:

"ڈرامے پیش کیے جانے کے لئے لکھے جاتے ہیں صرف پڑھنے پڑھانے کے لئے نہیں لکھے جاتے۔ اس لئے ڈراموں کو صرف مکالموں کا مجموعہ سمجھنا درست نہیں نہ اسے افسانوں کی طرح پڑھنا پڑھانا کافی ہے بلکہ اس کے مکالموں کو اسٹیج پر یا فلم یا ریڈیو، ٹیلی وژن پر پیش ہونے والے فن پارے کا ڈھانچہ یا اس کا ایک حصہ سمجھ کر پڑھنا چاہیے"۔(7)

جس طرح عمارت کی تکمیل کے لیے نقشے کے بعد اینٹ، پتھر، ریت، مٹی سیمنٹ، لوہا، لکڑی، شیشہ، کاری گر اور مزدور وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ڈرامے کی تکمیل کے لیے سکرپٹ (Script) کے علاوہ سٹیج، اداکار، آواز، روشنی، موسیقی، تماشائی اور بہت سے آلات کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں اب یہ بات توطے شدہ ہے کہ ڈرامے کی تکمیل اس کی پیش کش کے بغیر ممکن نہیں اور پیش کش میں عمل کی اہمیت بنیادی ہے۔ ڈرامے کے علاوہ کہانی کی ہر صنف کا متخاطب قاری ہے اور ڈرامے کا ناظر یا سامع ہے۔ کہانی کی اصناف اور ڈرامے میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ کہانی میں پڑھنے والوں کی حیثیت انفرادی ہوتی ہے اور ڈرامے میں اجتماعی۔

ڈرامے کے محرکات:

ڈرامے کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ یہ سمجھنا بھی ضروری ہے، آیا وہ کیا محرکات تھے جن کی وجہ سے ڈرامہ وجود میں آیا؟ دراصل ڈرامے کے وجود میں آنے کی محرک دو وجوہات ہیں یہ دونوں انسانی جبلتیں ہیں۔

1۔ اظہارِ ذات:

اظہارِ ذات سے مراد یہ ہے کہ انسان جو کچھ سوچتا اور محسوس کرتا ہے وہ دوسروں کو بتانا چاہتا ہے۔ وہ اپنے خوشی و غم کے احساسات دوسروں کو بتا کر سکون محسوس کرتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے دکھ بانٹنے سے کم ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان جن مشاہدات و تجربات سے گزرتا ہے انہیں اپنی ذات تک محدود نہیں رکھ سکتا۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے اندر ایک ہیجانی کیفیت اور ابلاغ کی مسلسل خواہش پیدا ہوتی رہتی ہے۔ ڈراما دیکھنے کے بعد انسان کے اِن ہیجانی جذبات کا اخراج ہو جاتا ہے۔ انسان قدرے پُر سکون ہو کر معمولاتِ حیات میں دوبارہ شامل ہو جاتا ہے۔ ارسطو اسے کیتھارسس کہتا ہے۔ اپنے اندر چُھپی ہوئی خواہشات کو ظاہر کرنے کا یہ عمل قدرت کی جانب سے دیا گیا ہے۔ بلکہ اقبال تو یہ کہتا ہے:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

جہاں میں دانش و بینش کی ہے کس درجہ ارزانی
کوئی شے چُھپ نہیں سکتی کہ یہ عالم ہے نورانی
یہ دنیا دعوتِ دیدار ہے فرزندِ آدم کو
کہ ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوقِ عُریانی(8)

2۔ نقالی کا مادہ:

نقالی کی صلاحیت بھی انسانی فطرت میں ازل سے موجود ہے۔ بچوں کا توتلی زبان میں نقل اتار کر بولنا۔ دوسرے کی آواز و حرکات کی نقل کرنا فطرتِ انسانی ہے۔ ارسطو کا کہنا ہے:

"انسان اسی وجہ سے دوسرے جانوروں سے ممتاز ہے کہ وہ سب سے زیادہ نقال ہے اور اسی جبلت کی وجہ سے اپنی پہلی تعلیم پاتا ہے۔"(9)

ڈراما کی صنف اسی وجہ سے دوسری اصنافِ نثر و نظم سے مختلف ہے۔ نقالی کی اسی جبلت کا ڈراما سب سے زیادہ مرہونِ منت ہے۔ لہٰذا ڈرامائی حرکت و عمل کی بات کرتے ہوئے یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ڈرامے کے لئے جس حرکت و عمل کو ضروری قرار دیا جاتا ہے اس کے ساتھ نقل کا تصور بھی جُڑا ہوا ہے۔ ارسطو اس حرکت و عمل کے لیے "ایکشن" کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ انگریزی زبان میں ACTION کا مفہوم "پھر سے کرنا" لیا جاتا ہے۔ خصوصاً جب ایکشن ڈرامے کے پس منظر میں بولا جارہا ہو۔ ورنہ حرکت و جنبش کے لئے لفظ Movement بھی استعمال کیا جاسکتا تھا۔ ایکشن کی مزید وضاحت کرتے ہوئے صفدر آہ لکھتے ہیں:

"کسی بھی عمل میں ایکشن اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب اس کے پیچھے ارادۂ نمائش موجود ہو۔ صرف عمل یا روزمرہ کی زندگی کے واقعات ایکشن سے خالی ہوتے ہیں۔"(10)

ایکشن سے متعلق ایک اور اہم بات جو غور کرنے سے ہم پر واضح ہو جاتی ہے، وہ یہ کہ ممکن ہے کسی عمل (Action) میں ایکشن نہ ہو لیکن اس کے برعکس سکوتِ محض میں ایکشن موجود ہو۔ اس کی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ آپ چلتے رہیئے اور برابر چلتے رہیئے لیکن آپ کے چلنے کے عمل میں کوئی ایکشن نہیں ہے۔ اس کے مقابلے آپ کسی سینما گھر پر لگے ہوئے پوسٹر کو دیکھئے۔ فلم کا ہیرو ہاتھ میں کلاشنکوف پکڑے، آنکھوں میں انتقام کا رنگ لئے دیکھنے والوں کی طرف دیکھتا نظر آتا ہے، تو آپ اس سکوت والی تصویر میں ایکشن کو محسوس کر سکتے ہیں۔ ایکشن ہی ڈرامے کی رُوح ہے۔ صفدر آہ لکھتے ہیں:

"ایکشن ہمیشہ مفروضات میں ہوتا ہے آپ کا کرسی پر بیٹھنا ایکشن نہیں لیکن شہنشاہ جہانگیر کی طرح بیٹھنا، ایکشن ہے۔"(11)

ان سب باتوں اور حوالوں سے ڈرامائی عمل کی وضاحت بھی ہوتی ہے اور ڈرامے کو سمجھنے میں مدد بھی ملتی ہے۔ اگر ہم برصغیر کے حوالے سے ڈرامے کی تعریف پر غور کریں۔ تو یہاں کی قدیم زبان سنسکرت میں ڈراما ایسی نظم ہے جسے دیکھا اور سنا جاسکے۔ محمد اسلم قریشی کہتے ہیں:

"سنسکرت میں ڈرامے کے مترادف جو لفظ استعمال کیا جاتا ہے وہ "روپک" ہے۔ یہ لفظ روپ سے مشتق ہے۔ اس سے مراد کرداروں اور کیفیات کو متشخص کرنا اور جذبے کے فطری مظاہرات کو پیش کرنا ہے"۔(12)

برصغیر کے ڈراموں میں کردار مختلف روپ دھار کر آتے ہیں اس لئے ڈرامے کو "روپک" کہا جاتا ہے "ناٹک" اور "نوٹنکی" تو روپک کی دس اقسام میں سے دو ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ الفاظ کی مقبولیت کے سبب ڈراما کے مترادف ہی سمجھ لیا گیا۔

ڈرامے کی ابتدا:

مغرب میں یونان اور مشرق میں برصغیر کو ڈرامے کی تخلیق اور پرورش کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے ان دونوں ملکوں میں اس صنفِ ادب کے ساتھ جو تصورات وابستہ ہوئے اور جن روایتوں نے جنم لیا انہی کو آنے والی صدیوں میں بھی اس فن کے اہم عناصر سمجھا گیا۔ برصغیر میں ڈرامے کو جو کچھ سمجھا گیا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

ہے۔ اس کے متعلق ایک بڑی دِل چسپ روایت مشہور ہے۔ کہتے ہیں ایک مرتبہ دیوتاؤں کے دل میں اپنی ہموار، سپاٹ بے لُطف زندگی سے ایسی اکتاہٹ پیدا ہوئی کہ وہ سب مل کر راجا اِندر کے پاس گئے اور اپنی بے مزہ زندگی کے لیے کسی دِل چسپ مشغلے کے طالب ہوئے۔ راجا اِندر نے کہا کہ برہما کے پاس چلتے ہیں ممکن ہے وہ کوئی اچھا حل تلاش کر لے۔ چنانچہ برہما کو اپنی عرضداشت پیش کی۔ برہما نے سوچ بچار کے بعد ایک ترکیب نکالی۔ اس نے "رگ وید" سے رقص "سام وید" سے سرود، "یجر وید" سے حرکات و عمل اور "اتھر وید" سے اظہارِ جذبات کا طریقہ اخذ کر کے ایک پانچواں دید ترتیب دیا۔ اس کا نام "نٹ وید" رکھا۔ یہ عجیب و غریب اور نیا نسخہ دیوتاؤں کے ہاتھ آیا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اس نسخے کو عملی طور پر اپنایا۔ یہی نسخہ آگے چل کر برصغیر میں ڈرامے کی بنیاد بنی۔ اسی بنیاد پر "شکنتلا" جیسے ناٹک لکھے گئے۔ ڈرامے کی ابتدا کے بارے میں یہ بات اہم ہے کہ اس کی ابتدا یونان سے ہی ہوئی تھی۔

یونانی ڈراما:

یونانی اَن دیکھے دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش کرنے والی قوم تھی۔ ان کے عقائد کے مطابق انسان کی تقدیر کا فیصلہ دیوتا ہی کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ دیوتاؤں کو خوش رکھنے کے لیے ناچ گانا کرتے تھے۔ نور الٰہی کہتے ہیں:

> "یونان میں ایک جنگ جُو قوم "ڈورین" آباد تھی۔ یہ قوم موسم بہار کے آغاز پر ایک مخصوص دیوتا کی پوجا کرنے کے لئے جشن مناتے۔ جشن میں گائے جانے والے گیت اور ناچ وحشیانہ انداز کا ہوتا تھا۔ سُر اور تال سے بے بہرہ گانوں کی محفل میں بے ہنگم شور ہوتا تھا۔ یہ لوگ بکرے کی کھال اوڑھ کر ناچتے۔ بکرے کی قربانی اور کھالوں کی نسبت سے ان گیتوں کو ٹریجڈی کہا جاتا تھا۔ کیونکہ یونانی زبان میں بکرے کو Trogus بمعنی بکرا اور ODS بمعنی گیت استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح باکس پوجا سے ٹریجڈی نے جنم لیا۔"(13)

یونان کے اور بہت سے علاقوں میں مختلف روپ دھار کر پوجا پاٹ کی جاتی۔ دنیا میں یہ تقریباً ڈراما کی ابتدائی اشکال ہیں۔ یونان کا پہلا عظیم ڈراما نگار اسکائیلس AESCHYLUS ۵۲ قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ اسے یونانی ٹریجڈی کا موجد بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے ناچ گانے کے عنصر کو کم کر کے مکالمے کو اہمیت دی۔ اس سے پہلے اسٹیج پر صرف ایک ہی اداکار ہوتا تھا۔ لیکن اس نے اسٹیج پر اداکاروں کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔ کرداروں کا لباس ان کے مرتبے کے مطابق تجویز کیا۔ پردوں پر تصاویر اور مناظرِ فطرت بنا کر پس منظر کے طور پر استعمال کرنے کا طریقہ متعارف کروایا۔ اسکائیلس نے مکالموں میں کسی حد تک ادبی رنگ بھرا۔ اس کے ستر 70 ڈرامے ہیں۔ جن میں سے صرف سات دستیاب ہیں۔ جن میں سے THE CRISTIA SEVEN, AGONIST TEEBES, SUPLIMENT کافی مشہور و معروف ہیں۔ اسکائیلس ایتھنز کا باشندہ تھا۔ ایک بہترین اداکار اور باکمال سپاہی تھا۔

یونانی ڈراما نگاروں میں دوسرا نام سفوکلیز SOPHOCLES کا ہے۔ اس نے سولہ سال کی عمر میں ڈرامہ لکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے سٹیج اور ڈراموں کی روایتی ہیئت میں مثبت تبدیلیاں کیں۔ سٹیج پر مزید کردار بڑھائے۔ سفوکلیز نے اپنے ڈراموں کی کہانیاں عموماً یونانی دیومالائی داستانوں سے لیں۔ اس کے ڈراموں میں کہیں کہیں عوام کی آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ سفوکلیز نے ڈرامے کو بام عروج تک پہنچا دیا۔

یونانی ڈراموں کی تاریخ کا ایک اور بڑا نام یوری پیڈز EURIPIDES کا ہے۔ (۵۸۴ ق۔م) اس نے انیس 19 ڈرامے لکھے، جن میں المیہ طربیہ اور طنزیہ شامل ہیں۔ یوری پیڈ کو اس حوالے سے بہت مقبولیت حاصل ہوئی کہ اس نے یونانی ڈرامے کو آسمان کی بلندیوں سے اُتار کر زمینی حقائق سے روشناس کروایا۔ اس کے ہاں انسان دوستی، دیوتاؤں سے بغاوت اور حقیقت پسندی پائی جاتی ہے۔ اس نے جنگ و جدل اور ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کی۔ اس نے اپنے ڈرامے "دی ٹروجن وومن" میں تین شاہی خاندان کی عورتوں کا ذکر کر کے تمام ماؤں، بیویوں اور معصوم لڑکیوں پر ظلم و ستم کی داستان سنا دی۔

یونان کا ایک ڈرامہ نگار ارسٹوفینز ARISTOPHANES تھا، جسے یونانی طربیہ کا موجد کہا جاتا ہے۔ اس نے بہت سے طربیہ ڈرامے لکھے۔

یونانی ڈرامے کے حوالے سے سب سے اہم نام ارسطو کا ہے۔ اس نے ڈراما کی صنف پر پہلی بار توجہ دی اور اس کا تفصیلی جائزہ لیا۔ اصول و ضوابط مقرر کیے۔ اس نے بوطیقا میں ڈرامے کے فن، عناصر اور خصوصیات کا مکمل احاطہ کیا۔ ڈرامے کے ارتقا اور فن پر ارسطو کے اثرات صدیاں گزرنے کے بعد بھی موجود ہیں۔ لہٰذا ارسطو کے ڈراما نگاری کے بنیادی اصول و ضوابط ڈرامے کی پوری تاریخ میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

یونان کے بعد ڈراما کی بنیاد اٹلی میں پڑی۔ اٹلی نے ڈراما میں اتنی ترقی کی کہ یونانیوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اٹلی کے ڈراموں سے متاثر ہو کر جرمنی میں بھی ڈرامے کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد اسپین اور فرانس میں بھی ڈرامے نے مقبولیت حاصل کی۔ بارہویں صدی میں ڈراما انگلستان پہنچ گیا۔ انگلینڈ میں سب سے پہلا ڈراما 1110ء میں ہوا جو مذہبی نوعیت کا تھا۔ غیر مذہبی ڈراما 1867ء میں ہوا۔ انگلینڈ میں مارلو اور شیکسپیئر نے ڈرامے کو ایک ایسی پہچان دی کہ اب شیکسپیئر ہی انگلینڈ کی پہچان بن گیا۔ شیکسپیئر نے 17 ڈرامے لکھے۔ ڈرامے کے فن کو مقبولیت کی بلندیوں تک پہنچایا۔ الغرض ڈراما ہر دور میں ایک مقبول صنف کی حیثیت میں نظر آتا ہے۔

ڈرامے کے اجزائے ترکیبی:

ارسطو کے مطابق ڈرامے کے اجزائے ترکیبی چھ ہیں۔

1۔ پلاٹ 2۔ کردار 3۔ مکالمہ 4۔ زبان 5 موسیقی 6 آرائش

ارسطو نے اپنے زمانے کے مطابق ان کی ارتقائی ترتیب دی تاہم بعد میں آنے والے ناقدین اور ڈراما نگاروں نے اس سے ہٹ کر بھی ترتیب دی ہے۔ اجزائے ترکیبی کے بارے میں عشرت رحمانی لکھتے ہیں:

> "ڈراما میں حسبِ ذیل فنی لوازم یا اجزائے ترکیبی کا ہونا ضروری ہے۔ اگر ان میں سے ایک بھی کمزور یا غائب ہو تو ڈراما مکمل شکل اختیار نہیں کر سکتا:۔
> 1۔ پلاٹ (موضوع یا کہانی کا مواد) یا نفسِ مضمون 2۔ کہانی کا مرکزی خیال یا تھیم 3۔ آغاز 4۔ کردار اور سیرت نگاری 5۔ مکالمہ 6۔ تسلسل کشمکش اور تذبذب 7۔ تصادم 8۔ نقطہ عروج یا کلائمکس۔"(14)

1۔ پلاٹ:۔

مختلف واقعات کو ایک فطری ربط اور ہم آہنگی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے تو اسے پلاٹ کہتے ہیں۔ پلاٹ تو ناول میں بھی ہوتا ہے پلاٹ میں ہی ڈرامے کی اصل کہانی ہوتی ہے۔ لیکن پلاٹ اور کہانی کا فرق بیان کرتے ہوئے ای ایم فارسٹر کہتے ہیں:

> "بادشاہ مر گیا اور رانی مر گئی" یہ ایک کہانی یا واقعہ ہے پلاٹ سے عاری ہے۔ لیکن اگر اس بات کو اسباب و عقل کا سہارا لیتے ہوئے اس طرح کہا جائے کہ "بادشاہ مر گیا اس لئے اس کے غم میں رانی مر گئی" تو یہ صرف واقعہ یا کہانی نہیں رہا بلکہ پلاٹ بن گیا۔"(15)

پلاٹ ناول کی طرح ڈرامے میں بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اچھے پلاٹ میں واقعات کی ترتیب خاص ڈھنگ سے ہوتی ہے۔ تمام واقعات منطقی طور پر آگے بڑھتے ہیں۔ تمام ضمنی قصے ایک دوسرے سے فطری ربط رکھتے ہیں۔ پلاٹ میں تسلسل اہم ہے۔ اس کے بارے میں ارسطو کا خیال ہے کہ:

> "اس کے اجزاء آپس میں اس طرح مربوط ہوتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی ترتیب بدل جائے یا اسے خارج کر دیا جائے تو پورا عمل تباہ ہو جائے۔ کیونکہ جو چیز لکھی بھی جا سکتی ہو اور نکالی بھی جا سکتی ہو اور اس سے کوئی فرق محسوس نہ ہو تو وہ حقیقی معنوں میں اجزاء نہیں کہلا سکتی۔ پلاٹ عام طور پر دو طرح کے ہوتے ہیں "اکہرے" اور "تہہ دار۔"(16)

لیکن امتیاز علی تاج کہتے ہیں۔

> "پلاٹ عموماً تین طرح کے ہوتے ہیں سادہ، مخلوط اور مرکب۔ سادہ پلاٹ کے ڈراموں میں واقعات کسی قابلِ قبول نقطہ آغاز سے بڑھ کر براہِ راست کسی ایسے انجام کو پہنچتے ہیں جسے بوجھ لینا کوئی مشکل نہیں ہوتا اور جس میں توقعات سے کسی خاص انحراف کا موقع پیدا ہونے نہیں پاتا۔۔۔ سادہ پلاٹ کے بہترین ڈرامے وہ ہوتے ہیں جن میں ایک عمل انجام کی طرف بے دریغ بڑھنے کا احساس پیدا ہو۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

مخلوط پلاٹ میں ڈراموں میں ہمواری سے آگے بڑھتے بڑھتے اپنے راستے یکایک ایک سے زیادہ موڑ اس طرح مڑتا ہے کہ نتیجہ توقع کے خلاف نکل آئے۔"(17)

اکثر نقاد پلاٹ کو چھ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ آغاز ۲۔ ابتدائی واقعات یا واقعہ ۳۔ عروج کی ابتدا ۴۔ عروج ۵۔ تنزل ۶۔ انجام۔

ان کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

۱۔ آغاز

پلاٹ میں آغاز یا تمہید کا مقصد آئندہ ہونے والے افعال و اعمال کے متعلق مناسب اشارات کرنا۔ مواد کے بارے میں بنیادی واقفیت مہیا کرنا۔ بعض معاملات کی تشریح پیش کرنا ہے، جس سے آنے والے واقعات کو بخوبی سمجھا جاسکے۔ اس میں ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو اگلے مراحل کی طرف متوجہ کریں۔ کرداروں کا تعارف بھی کرایا جاتا ہے۔ تمہید کے بارے میں اسلم قریشی لکھتے ہیں:

طریقہ کار ہے "عمدہ تمہید و تشریح عموماً فطری نوع کے مکالمے کی صورت اختیار کرتی ہے۔ یہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل مانوس اور موزوں۔ گفتگو کے انداز میں تشریحی جملے کرداروں کے منہ سے کہلوائے جاتے ہیں اور یہ کردار ابتدا ہی سے ہماری دل چسپی کا مرکز بن جاتے ہیں۔"(18)

۲۔ ابتدائی واقعہ:۔

ڈرامے کا اصل عمل ابتدائی حصے سے شروع ہوتا ہے۔ اس ابتدائی واقعہ سے ڈرامے کا پہلا تصادم جنم لیتا ہے۔ اس مرحلے میں اہم چیز انتخابِ واقعات ہے۔ اہل مغرب کے نقاد اسے SELECTION OF INCIDENT کہتے ہیں۔ یہاں یہ مسئلہ سامنے آتا ہے کہ کیا ڈرامے کی ابتدا کسی خاص واقعہ سے ہی ہونا ضروری ہے؟ اس سلسلے میں محمد اسلم قریشی لکھتے ہیں:

"اکثر نقادوں میں اس سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ڈرامے کا آغاز کسی واقعہ سے ہونا ضروری نہیں ہے۔ بعض اوقات ڈرامے کی ابتدا کسی خاص واقعہ سے نہیں ہوتی بلکہ کسی کردار کے ذہن میں بتدریج یا یک لخت کوئی مقصد ظاہر ہوتا ہے۔"(19)

اس بحث سے قطع نظر اتنی بات تو واضح ہے کہ ڈرامے میں دلچسپی اور کامیابی کے لیے آغاز بڑا اہم ہے۔ ڈراما نگار کسی بیانیہ منظر نگاری سے ڈراما شروع نہیں کر سکتا۔ لہٰذا آغاز کے واقعات کا انتخاب کرتے ہوئے ڈراما نگار کو بڑے غور و حوض سے کام لینا پڑتا ہے۔

۳۔ عروج:۔

اس سے پلاٹ میں الجھاؤ پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے مرحلے میں جس پہلے تصادم نے جنم لیا تھا، یہاں وہ بتدریج ترقی پذیر ہوتا ہے۔ اس کی شدت بڑھتی رہتی ہے۔ کہانی کا عمل اپنے انجام کی طرف تو بڑھتا ہے لیکن اس کا نتیجہ غیر یقینی ہوتا ہے۔ اس مرحلے پر بھی واقعات کی ترتیب کا مسئلہ ہے۔ مغربی ڈرامے میں اس ترتیب کو UNITY OF ACTION کہتے ہیں۔ واقعات کی ترتیب بہر حال فطری ہونی چاہیے۔ اسلم قریشی لکھتے ہیں:

"عمل کے عروج میں ان متصادم عناصر کو واضح طور پر سامنے لایا جائے جو مُنتہی کے وقت اجاگر ہونے والے ہوں اور انجام کی تشکیل میں جن کا نمایاں حصہ ہو۔(20)

نقطہء عروج صفدر آہ کے مطابق:

"نقطہء عروج کے معنی ہیں پلاٹ کے تصادم کا خلافِ توقع انتہا کو پہنچ جانا، جس سے ذہنی اور جذباتی توازن درہم برہم ہو جائے۔"(21)

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی درست ہے کہ متصادم عناصر زیادہ عرصہ تک کش مکش اور الجھاؤ میں مبتلا نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا اس مرحلے میں تمام مختلف اور متضاد قوتوں کی کش مکش عروجِ کمال کو پہنچ کر ایک ایسی حیثیت اختیار کر لیتی ہے کہ ان میں سے ایک کی کامیابی یقینی ہو جاتی ہے اور کہانی کا انجام واضح ہونا شروع ہو

جاتی ہے۔ قدیم ڈرامہ نگار اس مرحلے کو عموماً ڈرامے کے درمیان میں یا اس کے بعد لاتے ہیں۔ کچھ اسے نصف ڈرامے کے بعد لاتے تھے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ مرحلہ جہاں بھی آئے، منطقی اور فطری واقعات و حالات کا نتیجہ ہونا چاہیے۔

۴۔ تنزل:۔

اس مرحلے میں ڈرامائی تصادم انجام کی جانب بڑھتا نظر آتا ہے اور پچھلے الجھاؤ عیاں ہوتے ہیں۔ یہاں نظر آنے لگتا ہے کہ انجام المیہ ہو گا یا طربیہ۔ طربیہ میں غلط فہمی کا ازالہ ہوتا ہے اور انجام بخیر خوش کن ہوتا ہے۔ المیہ میں اس کے برعکس وہ عناصر منہدم ہونے لگتے ہیں جو شر اور فساد کو روکے ہوئے ہوتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر بربادی سامنے آجاتی ہے۔ صفدر آہ اس مرحلے کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "انحطاط کا یہ مختصر وقفہ مغربی ڈرامے کی اصطلاح میں ANTI CLIMEX کہلاتا ہے۔ کلائمکس میں جذبات ہیجان میں ہوتے ہیں اور ہیجان کی سطح پر نئے واقعات کی تعمیر ناممکن ہے۔ لہٰذا اینٹی کلائمکس کے عمل کے ذریعے پہلے ایک نئی ہموار سطح پھر سے پیدا کی جاتی ہے، جہاں سے واقعات کی تعمیرِ نو شروع ہو سکے۔(22)

تنزل کے مرحلے پر یہ مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اب دِل چسپی کیونکر قائم رکھی جائے؟ اس کے لیے پلاٹ میں چند واقعات داخل کر کے انجام میں تاخیر کی جاتی ہے۔ جس سے حالات میں غیر یقینی سی صورتِ حال اور تشویش پیدا ہو جاتی ہے اور دل چسپی کسی حد تک بڑھ جاتی ہے اور برقرار بھی رہتی ہے۔

۵۔ انجام:۔

اس مرحلے پر ڈرامائی تصادم کے ایسے پہلو ظاہر ہوتے ہیں کہ جن سے تکمیل کا احساس ہوتا ہے۔ انجام المیہ ہو یا طربیہ اس میں زندگی کے منطقی اصول عموماً نظر انداز نہیں کئے جاتے۔ انجام ایسا ہو جو کرداروں کے اوصاف اور پلاٹ کے عمل سے براہِ راست رونما نہ ہو۔ بلکہ ناگہانی طور پر خارجی دنیا سے نازل ہو جائے جو ناقص و پست ہو سکتا ہے۔

ڈراما فن ہونے کے ساتھ ساتھ ادب بھی ہے۔ ادب تخلیقی تجربے کے اظہار اور ابلاغ کا دوسرا نام ہے۔ اس لحاظ سے ڈراما الفاظ کی موزوں ترتیب و تنظیم کے ساتھ ساتھ تخلیقی تجربے کے اظہار کی ایک خاص صورت ہے۔ الفاظ ابلاغ کا وسیلہ ہے۔ اس لئے اِن کی حیثیت محض ثانوی یا جزوی ہونے کی بجائے بنیادی ہے۔ اس سلسلے میں ٹی۔ ایس ایلیٹ لکھتا ہے:

> "ڈرامے کو اسٹیج سے الگ کر کے محض ایک ادبی صنف کی حیثیت سے دیکھنا اور جانچنا اتنا ہی غلط ہے جتنا یہ سمجھنا کہ ڈرامے کے لئے ادب ہونا ضروری نہیں۔"(23)

گویا اسٹیج، جو فن کی علامت ہے، اس کے بنا لکھا ہوا ڈراما بے معنی ہو جاتا ہے۔

ڈراما اور زندگی کا باہمی ربط:۔

ڈرامے اور زندگی کا تعلق گہرا بھی ہے اور صرف ڈرامے کے لیے مخصوص ہے۔ ناول یا افسانے میں اس کا اظہار نہیں ہوتا۔ ناول اور افسانہ فنی اعتبار سے ایک فن کار کی تخلیق ہے۔ اس میں فن کار زندگی کا مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے تجربات بیان کرتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اسے قاری کے ذوق سے بھی واقف ہونا پڑتا ہے۔ یہ دونوں حقائق ڈرامے کے لئے بھی اہم ہیں۔ لیکن ان دونوں باتوں کے علاوہ بھی کچھ عمل ایسے ہیں جو ڈرامے اور افسانے یا ناول میں فرق پیدا کرتے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ کہ ڈراما صرف ایک فن کار (یعنی محض ڈراما نگار) کی تخلیق نہیں بلکہ کئی فنکاروں کی تخلیق ہے۔ ڈرامے کی تکمیل اور کامیابی میں اداکاروں اور ہدایت کار بھی شاملِ حال ہوتے ہیں۔ بہت سے افراد کی اجتماعی کاوش اور مشترکہ لائحہ عمل ڈراما کی تشکیل کرتے ہیں۔

زندگی اور ڈرامے کے ربط اور تعلق کی نوعیت اتنی گہری نہیں جتنی تماشائی سے ربط و تعلق کی ہے۔ تماشائی نہ ہوں تو ڈراما کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔ ڈراما پڑھنے کا نام نہیں بلکہ یہ ناظرین اور سامعین کیلئے تخلیق کیا جاتا ہے۔ انسان نے زندگی کے ہر شعبہ میں جہاں حیران کن ترقی کی ہے، اقبال بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی(A23)

وہاں اصناف ادب اردو بھی پیچھے نہیں رہی۔ اردو ڈراما بھی تخلیقات کے اعتبار سے ادبی میدان میں اپنا لوہا منوا چکا ہے۔ خاص طور پر پی ٹی وی پر پیش کئے گئے ڈراموں نے نہ صرف ملک میں بلکہ بیرون ملک میں بھی اپنی مقبولیت کے ریکاڈ قائم کیے ہیں۔ ڈراما تفریح سے ایک ہاتھ آگے بڑھ کے اب ہمارے معاشرے کے ہر گھر کی ضرورت ہے۔ ٹی وی سکرین پر لاکھوں لوگ دیکھتے ہیں اور سیکڑوں ڈرامے لکھے جاتے ہیں۔ جن میں زندگی کے بہت سے مسائل کا حل بھی مل جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو ہر شخص ڈرامے کا حصہ ہے۔ کیونکہ ہر شخص کا قدرت نے ایک سکرپٹ لکھا ہے ہر انسان کا آغاز بھی ہے۔ پلاٹ بھی، تصادم بھی اور انجام بھی۔ شکسپیئر نے شاید اسی لئے دنیا کو ایک سٹیج کہا تھا اور ہم سب اس دنیا کے فنکار۔

اردو ڈرامے کی ابتداء:

اردو ڈرامے کی ابتدا کے حوالے سے محققین کسی متفقہ رائے تک نہیں پہنچے۔ عہدِ فرخ سیر (1713ء تا 1719ء) میں نواز نامی شاعر نے ہندی تلفظ کے مطابق جو نواج کہلاتا ہے، ایک کتاب برج بھاشا میں "شکنتلا" ناٹک کے نام سے لکھی۔ یہ مزمل پریس الہ آباد 1959ء میں شائع ہوئی۔ فورٹ ولیم کالج میں شکنتلا کا ترجمہ 1801ء میں کاظم علی جوان نے کیا۔ اردو کے بہت سے ناقدین اور محققین کاظم علی جوان کو اردو کا پہلا ڈراما نگار سمجھتے رہے۔ کاظم علی جوان کا ترجمہ متعدد بار شائع ہو چکا دورِ جدید کے ایڈیشن "مجلس ترقی ادب لاہور" سے 1963 میں دوسرا "اردو دنیا" کراچی 1964ء میں، لیکن شکنتلا کا ڈرامے سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ محمد اسلم قریشی لکھتے ہیں۔

> "ان مطبوعہ نسخوں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ کاظم علی جوان کی "شکنتلا" ناٹک ڈراما نہیں بلکہ ایک نثری داستان ہے۔"(24)

کاظم علی جوان کے شکنتلا ناٹک کے ڈرامانہ ہونے کی تصدیق مسعود حسن رضوی نے بھی کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> "ایک معروف نظریہ ہے کہ واجد علی شاہ کا لکھا ہوا "رادھا کنھیا" کا قصہ اُردو کا پہلا ڈراما ہے اور واجد علی شاہ اُردو کے پہلے ڈرامہ نگار۔"(25)

ابو اللیث صدیقی کا کہنا ہے کہ:

> "اس وقت ڈرامے کی جو شکل تھی اس کا پہلا نقش وہ چھوٹا سا ناٹک ہے جو واجد علی شاہ نے اپنی ولی عہدی کے دنوں میں لکھا تھا۔ اس داستان کو رہس کے ناٹک کی صورت دینے سے پہلے واجد علی شاہ رہس کے وہ چھبیس جلسے ترتیب دے چکے تھے جن کا ذکر انھوں نے اپنی تصنیف "بنی" میں کیا ہے۔"(26)

یہ رہس واجد علی شاہ نے 1842ء اور 1844ء کے درمیان لکھا تھا اور بعد میں اپنی کتاب "بنی" میں شامل کر دیا۔ جو 1875ء کی تصنیف ہے۔ امانت لکھنوی کی "اندر سبھا"، جسے بعض محققین کے مطابق اُردو کا پہلا ڈرامہ نگار کہا جاتا ہے، 1854ء میں تصنیف ہوئی۔ اس لئے واجد علی شاہ کے ان ناٹکوں کے ہوتے ہوئے "اِندر سبھا" کو اُردو کا پہلا ڈراما کہنا درست نہیں۔ البتہ بقول مسعود حسن رضوی "اِندر سبھا" کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "وہ اردو کا پہلا ڈراما ہے جو عوامی سٹیج کے لیے لکھا گیا اور کھیلا گیا۔ وہ پہلا ڈراما ہے جس کو عام مقبولیت نے ملک میں شہر شہر اور اَودھ میں گاؤں گاؤں پہنچایا۔ وہ اُردو کا پہلا ڈراما ہے جو چھپ کر منظرِ عام پر آیا اور سیکڑوں مرتبہ شائع ہوا۔ وہ اُردو کا پہلا ڈراما ہے جو ناگری، گجراتی اور مرہٹی خطوں میں بھی چھاپا گیا۔"(27)

اس اقتباس کی رو سے تو اِندر سبھا ہی اُردو کا پہلا ڈراما ہے۔ ہمارے اُردو ڈرامے کا سارا ادبی اور فنی تخیل اِندر سبھا ہی سے ماخوذ ہے۔ ہمارے دور کے سارے ڈراموں کی ساری روایت اور ترتیب اِندر سبھا ہی سے ہی ملتی جلتی ہے۔ اِندر سبھا ہی ہمارے اُردو ڈراموں کے لئے مشعلِ راہ بنا۔ اِندر سبھا کا مطالعہ کرنے والا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

بالکل شروع ہی میں یہ بات آسانی سے محسوس کر لیتا ہے کہ امانت لکھنوی نے دل چسپی، تفریح اور خوشی کا واحد وسیلہ موسیقی کو بنایا ہے۔ ممکن ہے یہ بات امانت لکھنوی نے قصداً مدِ نظر رکھی ہو جیسے اندر سبھا کا آغاز سات شعروں کی ایک غزل سے ہوتا ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

سبھا میں دوستو اِندر کی آمد آمد ہے
پری جمالوں کے افسر کی آمد آمد ہے

غزل جس شعر پر ختم ہوتی ہے وہ یہ ہے۔

بیان راجا کی آمد کا کیا کروں اُستاد
جگر کے جان کے دلبر کی آمد آمد ہے(28)

ابھی تک ہم نے اردو کے جن ابتدائی ڈراموں کی بات کی ہے وہ عموماً نظم میں ملتے ہیں۔ اردو کا پہلا مکمل نثری ڈراما کون سا ہے؟ کس نے تحریر کیا؟ کب تحریر ہوا؟ کب سٹیج ہوا؟ یہ اس لئے بھی اہم سوالات ہیں کہ دورِ حاضر میں اب نظمیہ نہیں بلکہ نثری ڈرامے پیش ہو رہے ہیں۔ ان مذکورہ سوالات کے بارے میں ڈراما کے محققین متفق نظر نہیں آتے۔ ڈراما اور اردو ڈراما کے پس منظر سے متعلق اب بہت سی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں ان میں سے چند اہم یہ ہیں: محمد عمر اور نور الٰہی کی کتاب "ناٹک ساگر" دنیائے ڈراما کی تاریخ، اردو میں پہلی کتاب ہے جس میں دنیا بھر کے ڈراما لکھنے والوں اور ایکٹروں کی سوانح عمری، دنیا بھر کے سٹیج کے عروج و زوال کے اسباب اور ڈراما کے فن کی ارتقائی کیفیت، ڈراما و سٹیج کے محاسن و عیوب کا احاطہ کیا گیا ہے۔ کافی ضخیم کتاب ہے۔ بادشاہ حسین کی کتاب "اُردو میں ڈراما نگاری"، ڈاکٹر عبد السلام خورشید کی "اردو ڈراما"، سید مسعود حسن رضوی ادیب کی "اردو ڈراما اور سٹیج، ابتدائی دور کی مفصل تاریخ"، صفدر آہ کی "ہندوستانی ڈراما"، ڈاکٹر عبد العلیم نامی کا آرٹیکل "اردو تھیٹر"، اسلم قریشی کی کتاب "ڈراما نگاری کا فن"، عشرت رحمانی کی کتابیں "اردو ڈراما کا ارتقا" اور "اردو ڈراما، تاریخ و تنقید"، ڈاکٹر عطیہ نشاط کی "اردو ڈراما روایت اور تجزیہ:، ڈاکٹر انجمن آراء کی "آغا حشر اور اردو ڈراما"، ابراہیم یوسف کی اندر سبھا اور اندر سبھائیں"۔ یہ مذکورہ کتابیں قابلِ قدر ہیں۔ اتنی تحقیق کے بعد بھی یہ سوال اپنی جگہ موجود ہے کہ اردو کا پہلا نثری ڈراما کون سا تھا؟ یہ تمام مصنفین ڈراما اپنی الگ الگ رائے رکھتے ہیں۔ اب ہم یہ بات جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ اردو کے ابتدائی ڈراموں کے حقائق کیا ہیں؟

نواب واجد علی شاہ کے دور میں موسیقی اور رقص و سرور کو بہت عروج ملا۔ یہ فن اس دور کے مختلف ڈراموں میں بھی دکھائی دیتا تھا۔ شاید اسی لئے بہت سے محققین واجد علی شاہ کو اردو کا پہلا ڈراما نگار تسلیم کرتے ہیں۔ اس امر کی حمایت میں مسعود حسن رضوی واجد علی شاہ کا "رادھا کنہیا کا قصہ" کو اردو کا پہلا ڈراما قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح عشرت رحمانی واجد علی شاہ کو پہلا ڈراما نگار تو تسلیم کرتے ہیں تاہم وہ واجد علی کے ایک اور ڈرامے کو "افسانہء عشق" کو اردو کا پہلا منظوم ڈراما اور اوپیرا (OPERA) پہلی کاوش قرار دیتے ہیں۔ یہ ڈرامے واجد علی شاہ کی کتاب "بنی" میں شامل ہیں، یہ کتاب 1875ء لکھی گئی۔ تاہم ابو اللیث صدیقی کی رائے یہ ہے کہ:

> "نواب واجد علی شاہ کے یہ "رہس" محض ہدایت کاری، موسیقی اور رقص پر مشتمل ہیں۔ یہ قصہ پن سے عاری ہیں، ان میں اداکاری نام کو نہیں۔ مکالمے اور مناظر بھی ناپید ہیں۔ ان کو صرف موسیقی اور رقص کا امتزاج کہا جا سکتا ہے۔"(29)

رام بابو سکسینہ نے آغا حسن امانت کی کہانی اندر سبھا کو اردو کا پہلا ڈراما قرار دیا۔ نور الٰہی اور محمد عمر بھی امانت کو اردو ڈراما کا باوا آدم مانتے ہیں۔ لیکن اندر سبھا کو قدمانے اور اکثر مصنفین نے صرف رہس کہا ہے۔ کیونکہ اس کا آدھا حصہ تو صرف پریوں کی آمد، ان کے گانے اور رقص سے بھرا پڑا ہے۔ رہس کو ہم ایک مکمل ڈراما نہیں کہہ سکتے۔ یہ تو رقص، موسیقی اور گانوں کا مجموعہ ہے۔ ابراہیم یوسف نے اسی لئے کہا ہے کہ:

> "اندر سبھا میں سے اگر قصہ نکال دیا جائے تو وہ رقص و موسیقی کی محفل بن کر رہ جاتی ہے۔"(30)

ڈاکٹر عبد العلیم نامی نے اپنے مقالے "اردو تھیٹر" میں مذکورہ بالا دونوں تصورات سے اختلاف کیا ہے سب سے پہلے تو انھوں نے اردو ڈرامے کے آغاز کے حوالے سے واجد علی شاہ کا نام تو سرے سے لیا ہی نہیں۔ اسی طرح وہ امانت کی اندر سبھا کو بھی اردو کا پہلا ڈراما نہیں مانتے، بلکہ وہ "راجا گوپی چند اور جلندھر" کو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

اردو کا پہلا ڈراما قرار دیتے ہیں، جو پہلی بار بمبئی میں 1853ء میں سٹیج کیا گیا۔ لیکن ایک اور نقاد ڈاکٹر مسیح الزماں نے اس کے بارے میں تجزیہ کرتے ہوئے نامی کے خیال کو یوں رد کیا ہے:

> "ڈاکٹر عبدالعلیم نامی کا خیال ہے کہ یہ ڈراما (راجا گوپی چند اور جلندھر) اردو میں تھا، لیکن نہ انھوں نے اس کی کہانی بیان کی ہے ہے اور نہ ہی اقتباس پیش کیا ہے نہ کتاب، رسالے یا اخبار میں اس کے ذکر کا حوالہ دیا ہے جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ اس کی زبان کس حد تک اردو تھی۔"(31)

اس کے مقابلے میں خود ڈاکٹر مسیح الزماں کی تحقیق کے مطابق "خورشید" اردو تھیٹر کا پہلا ڈراما ہے جسے بہرام جی مرزبان نے 1771ء میں گجراتی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر عطیہ نشاط کہتی ہیں:

> " یہ اردو کا پہلا ڈراما ہے جس میں نثر میں مکالمے لکھے گئے ہیں"(32)

کچھ محققین سید ابوالفضل الفیاض کے ڈراما "صولت عالم گیری" کو اردو کا پہلا ڈراما تصور کرتے ہیں یہ ڈراما طبع زاد ہے اور 1875ء میں طبع ہوا۔ اس کے تمام مکالمے نثر میں لکھے گئے ہیں۔ یہ ڈراما پورے کا پورا دستیاب بھی ہے۔

برصغیر پاک وہند میں جب انگریز آئے تو اپنے ساتھ ڈراما کی روایت اور فن بھی لے کر آئے۔ انھوں نے آغاز میں چھاؤنیوں میں تھیٹر قائم کیے جہاں انگریزوں کی بڑی آبادی موجود تھی۔ ان تھیٹروں میں انگریزی اصولوں کے مطابق انگریزی اور اردو ڈرامے پیش کیے جاتے تھے۔ لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ اردو ادب ڈراما کے عنصر سے بالکل خالی تھا۔ یہ بات ضرور ہے کہ ڈراما کا لفظ انگریزی زبان کے زیر اثر اردو میں مستعمل ہوا۔ انگریز اپنے ساتھ ڈراما کی روایت تو لائے تھے، لیکن یہاں برِصغیر میں یقیناً وہ اپنے ملک، ماحول اور معاشرے کے ڈرامے پیش نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یہاں کی معاشرت و مسائل مغربی سوسائٹی سے یکسر مختلف تھی۔ اس حوالے سے فورٹ ولیم کالج کا کردار دیگر اہم ادبی کاموں کے ساتھ ساتھ ڈرامے کے لئے بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر گل کرسٹ کی ہدایت پر کاظم علی جوان نے للولال جی (1763-1831) کی معاونت سے سنسکرت زبان کے ایک نامور ناٹک "شکنتلا" کو آسان فہم اردو نثر میں ترجمہ کیا، جو 1802ء میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس کے اثرات یہ ہوئے کہ ڈراما کی دیگر اشکال بھی وجود میں آئیں جیسے کہ نوٹنکی، سوانگ، رام لیلا، راس لیلا، اور رہس۔ بعد ازاں یہ سلسلہ اندر سبھاؤں تک چلا گیا۔ اہم بات یہ ہے کہ یہاں اسٹیج کے فروغ میں انگریز کا حصہ بھی موجود ہے۔ عبدالعلیم نامی کی تحقیق کے مطابق بمبئی میں 1750ء میں ایک انگریزی تھیٹر موجود تھا۔ وہ کہتے ہیں:

> " بمبئی میں مغربی انداز کے اسٹیج پر اردو میں کچھ ڈرامے پیش کرنے کی کوششیں نومبر 1853ء سے شروع ہوئیں، لیکن 1771ء تک جو ڈرامے بتائے گئے ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اب تک بمبئی کے جدید اردو اسٹیج پر جو ڈراما ملتا ہے وہ "خورشید" ہے۔(33)

نثر میں اردو ڈرامے کے اولین نقش کے حوالے سے اب تک جو ہم نے بحث کی ہے اس سے کوئی بھی حتمی رائے قائم کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ جبکہ بہت سے نامور نقادوں اور تحقیق کاروں کی معتبر رائے ہمارے سامنے ہے۔ اس صورتِ حال میں جدید تحقیق پر مبنی ایک کتاب "اُردو کا پہلا نثری ڈراما اور کیپٹن گرین آوے" بھی سامنے آچکی ہے۔ اس کتاب کے مصنف و محقق ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال ہیں۔ اس کتاب کا سن اشاعت 1984ء ہے۔ انھوں نے "علی بابا یا چالیس چور کو اردو کا پہلا اردو ڈراما قرار دیا ہے۔ اس ڈرامے کے بارے میں وہ تفصیل سے تعارف پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> "راقم الحروف کو بڑی تحقیق اور تلاش کے بعد فورٹ سینٹ جارج کالج میں بتائے جانے والے ایک ڈرامے "علی بابا یا چالیس چور" کا پتہ چلا۔ موجودہ تحقیق کے بموجب یہ اردو کا پہلا قدیم ترین نثری ڈراما ہے جو 1952ء میں مدراس سے شائع ہوا۔ یہ ایک طربیہ ڈراما یا کومیڈی ہے۔ اس میں قصہ کا انجام خوش گوار ہے۔ خوش قسمتی سے یہ ڈراما مطبوعہ حالت میں پورے کا پورا دستیاب ہوا ہے۔"(34)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

انھوں نے اس ڈرامے کے مصنف کا نام کیپٹن گرین آوے(CAPT GREINAWAY) بتایا ہے۔اس ڈرامے کے مصنف کے بارے میں مزید لکھتے ہوئے کہا ہے:

"کیپٹن گرین آوے افواج مدراس میں کیپٹن کے عہدے پر مامور تھے۔ان کا تعلق فوج کی چھیالسویں رجمنٹ سے تھا وہ فورٹ سینٹ جارج کے فارغ التحصیل تھے۔وہ ایک عظیم فنکار اور ڈراما نگار تھے۔دکنی زبان میں انھیں بڑی مہارت حاصل تھی انہیں شعر و شاعری سے بھی بڑی دلچسپی تھی، وہ شعر بھی کہتے تھے۔"(35)

ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال نے اپنی تحقیق پر پورے اعتماد سے "علی بابا یا چالیس چور" کو اردو کا پہلا نثری ڈراما قرار دیا ہے۔وہ اپنے سے پہلے محققین کی آراء و تحقیق کو ایک طرح سے رد بھی کرتے نظر آتے ہیں۔وہ اس سے قبل مختلف محققین و نقادوں کے ڈراموں کا ذکر کرتے ہوئے "علی بابا یا چالیس چور" سے دیگر ڈراموں سے موازنہ میں کرتے ہیں:

"یہ ڈراما واجد علی شاہ اختر کی کتاب "بنی"(مطبوعہ 1871ء) سے چوبیس سال پہلے، منظوم ڈراما "اندر سبھا"(مطبوعہ 1854ء) سے دو سال پہلے، گوپی چند اور جلندھر (مطبوعہ 1853ء) سے ایک سال پہلے اور سیٹھ بہرام جی مرزبان کے نثری ڈراما "خورشید"(1871ء) سے بیس سال پہلے مدراس سے شائع ہوا ہے۔"(36)

ڈاکٹر افضل الدین اقبال اس ڈرامے کی پہلی اشاعت کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں:

"کیپٹن گرین آوے کا ڈراما "علی بابا یا چالیس چور" 1852ء میں تعلیم الاخبار پریس سے شائع ہوا تھا جو مدارس کا ایک مشہور پریس تھا۔اس کے مالک منشی سید حسین اور غلام حسین تھے۔"(37)

ڈاکٹر ڈاکٹر افضل الدین اقبال نے اپنی کتاب "اردو کا پہلا نثری ڈراما اور کیپٹن گرین آوے" میں ڈرامے کے اصل متن کو بھی پیش کیا، مگر اس پہلے ڈرامے پر ایک بھرپور تجزیاتی مطالعہ بھی کیا ہے۔جس میں ڈرامے کے ماخذ، کہانی، کرداروں کا تعارف، فنی جائزہ اور لسانی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔

اردو ڈرامے کے آغاز اور اس کے خدوخال پر تحقیق کار اور نقادوں کی ادبی اُفق پر بحث جاری رہے گی۔کیونکہ تحقیق کا در کبھی بند نہیں ہوتا۔لیکن اب یہ بہت بڑی حقیقت بن گئی ہے کہ اُردو ڈراموں نے جدید دور میں بھی خود کو منوایا ہے۔ہمارے ملک میں آغا حشر نے اُردو ڈراموں میں معاشرے کے اہم مسائل کی جانب بھرپور توجہ دی، ان کے چند ڈراموں کے نام یہ ہیں:

شہیدِ ناز۔دل کی پیاس۔یہودی کی لڑکی۔خواب ہستی۔رستم و سہراب۔احسن و بیتاب

اُردو ڈراموں میں آغا حشر کو "بابائے ڈراما" ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔انھوں نے پہلی بار ڈراما دیکھا تو اتنے متاثر ہوئے کہ گھر چھوڑ کر بمبئی چلے گئے اور تھیٹریکل کمپنی سے وابستہ ہوئے۔اُن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے تقریباً36ڈرامے لکھے۔انھوں نے کچھ ڈراموں کے ترجمے بھی کیے جن میں کچھ یہ ہیں۔رومیو جولیٹ۔بزمِ فانی۔ہملٹ۔خونِ ناحق۔مرچنٹ آف وینس۔دلِ فروش۔اوتھیلو۔شہیدِ وفا۔

اُردو ڈراموں میں ایک اور بڑا نام امتیاز علی تاج کا ہے۔امتیاز کا ڈراما "انار کلی" ایک شاہکار ہے۔یہ ایک تاریخی ڈرامہ ہے۔تاج نے ہر کردار کو اس کے شایان شان اور حسب حال مکالمے دیے۔اس کے علاوہ ان کا ڈراما "قرطبہ کا قاضی" بھی مقبول ہوا۔تاج کا ایک مزاحیہ قسط وار ڈراما "چچا چھکن" ٹی وی ڈراموں میں مقبول ہوا۔یہ ڈرامہ ایک انگریزی ڈرامے Three Manin A Boat سے ماخوذ ہے۔یہ ڈراما زندگی سے بھرپور ہے۔

ہر دور اور معاشرے میں ڈراما لکھنے کے موضوعات ختم نہیں ہوتے، بلکہ عہدِ حاضر میں بڑھتے ہوئے مسائل اور اخلاقی بے راہ روی میں ڈراموں کے بامقصد موضوعات دستیاب ہیں۔ہمارے یہاں یونیورسٹیوں کی سطح پر تو سٹیج پر نوجوان طلبہ اپنے اپنے ڈرامے پیش کر رہے ہیں لیکن افسوس ناک صورتِ حال یہ ہے کہ ڈراموں کی ابتدائی شکل اسٹیج پر ارباب اختیار نے کوئی توجہ نہیں دی۔سٹیج کو ناقابلِ تلافی نقصان ہو چکا ہے۔سٹیج پر بے ہودہ ڈانس، فحش جگت بازی اور ہر طرح کے غیر اخلاقی رویوں کو مسلسل فروغ مل رہا ہے۔اسی لئے شرفاء نے سٹیج کا رخ کرنا چھوڑ دیا ہے۔البتہ ہمارے ٹی وی ڈرامے ہر طرح سے معیاری رہے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

ہیں۔لکھنے والے بھی بڑھ رہے ہیں۔ ڈراموں کو پزیرائی بھی مل رہی ہے، ایک تاریخ رقم ہو رہی ہے۔ چینلز کی بھرمار کی وجہ سے مقابلہ بازی بھی ہے جو ڈراموں کے معیار کو بڑھانے میں معاون ثابت ہو رہی ہے۔ تادم تحریر ہمارے ادب میں ڈراموں کا ایک سنہرا مستقبل دکھائی دیتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ڈراموں کے معیار کو بر قرار رکھنے کے لئے ڈراموں سے جُڑے ہر شعبے کو اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے، جو وقت کا تقاضا بھی ہے اور نوجوان نسل کی اخلاقی، معاشرتی اقدار کو سنوانے کا بہترین ذریعہ بھی۔

حوالہ جات:

1۔ سید عبداللطیف، ڈاکٹر، دی انفلوئنس آف انگلش لٹریچر آن اُردو لٹریچر، ص:97، لندن، مطبوعہ 1924ء
2۔ براؤن لوورانسائیکلوپیڈیا بریٹینکا والیم۔7، ص576
2- Sheden Chaini,The Theatere Tudor EDI New York ،1947, P.13
4۔ رحمان مذنب، ڈرامے کی ابتداء، ماہ نامہ،، سیارہ لاہور،، بابت مارچ 1964ء، ص:54
5۔ رحمان مذنب، ڈرامے کی ابتداء، ماہ نامہ سیارہ، بابت مارچ 1964ء، ص:53
6۔ محمد اسلم قریشی، ڈرامے کی تاریخ و تنقیدی پس منظر، لاہور، 1971ء، ص:76:
7۔ محمد حسین، ادبیات شناسی، نئی دہلی،، 1989ء، ص:134
8۔ علامہ اقبال ڈاکٹر، لاہور، ارمغانِ حجاز، اقبال اکادمی، 2000ء، ص:754
9۔ ارسطو، بوطیقا، دہلی، ترجمہ عزیز احمد، فنِ شاعری، 1977ء، ص:47
10۔ صفدر آہ ہندوستانی ڈراما، دہلی، 1962، ص:163
11۔ ایضاً
12۔ محمد اسلم قریشی۔ ڈرامے کا تاریخی و تنقیدی پس منظر، لاہور، 1971ء، ص:34
13۔ نورالہیٰ و محمد عمر، نانک ساگر۔ لاہور، 1924ء، ص:4
14۔ عشرت رحمانی، اردو ڈراما کا ارتقاء، علی گڑھ، 1978ء ص:19
15۔ ای۔ ایم فارسٹر، آسپکٹس آف ناول ترجمہ ابوالکلام قاسمی، ناول کا فن، علی گڑھ، 1978، ص:12
16۔ ارسطو، بوطیقا، ترجمہ عزیز احمد، فنِ شاعی، دہلی ۷۷،، 1977ء، ص:64
17۔ امتیاز علی تاج، رونق کے ڈرامے، حصہ دوم لاہور، 1969ء، ص:2
18۔ محمد اسلم قریشی، ڈرامانگاری کا فن، لاہور،، 1963ء، ص:187
19۔ ایضاً ص:188
20۔ ایضاً ص:190
21۔ صفدر آہ، ہندوستانی ڈراما، دہلی، 267 ص:1962ء
22۔ ایضاً، ص:169
23۔ ماہِ نو، کراچی جنوری 1960ء، جائزہ، کراچی، اپریل 1960ء
A23۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر
24۔ محمد اسلم قریشی۔ ڈرامے کا تاریخی و تنقیدی پس منظر، لاہو، 1971ء، ص:291
25۔ مسعود حسن رضوی ادیب، لکھنو کا عوامی سٹیج، لکھنو، 1937ء، ص:11

26۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، واجد علی شاہ کی ایک نادر تصنیف، لاہور، مطبوعہ نقوش، فروری، مارچ 1952ء
27۔ مسعود حسن رضوی ادیب، لکھنو کا شاہی اسٹیج لکھنو 1953ء، ص:12،
28۔ وقار عظیم پروفیسر، ترتیب و تعارف ڈاکٹر سید معین الرحمان، لاہور، ء اردو ڈرامہ (فن اور منزلیں)، وقار پبلی کیشنز، 2011ء ص:147
29۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر واجد علی شاہ کی ایک نادر تصنیف، لاہور، مطبوعہ نقوش، فروری، مارچ 1953ء
30۔ ابراہیم یوسف، اندر سبھائیں، لکھنو، مطبوعہ 1980ء، ص:86
31۔ مسیح الزماں، ڈاکٹر، اردو ڈراما انیسویں صدی میں، الہ آباد، مطبوعہ شب خون، جولائی 1967ء
32۔ عطیہ نشاط، ڈاکٹر، اردو ڈراما روایت اور تجزیہ، الہ آباد، مطبوعہ 1973ء، ص86
33۔ عبد العلیم نامی، ڈاکٹر، اردو تھیٹر جلد اول ص:89، کراچی، مطبوعہ انجمن ترقی اردو، 1962
34۔ محمد افضل الدین اقبال، ڈاکٹر، اردو کا پہلا نثری ڈراما اور کیپٹن گرین آوے، حیدر آباد (دکن) دائرہ پریس، 1974ء، ص:15
35۔ محمد افضل الدین اقبال، ڈاکٹر، اردو کا پہلا نثری ڈراما اور کیپٹن گرین آوے، حیدر آباد (دکن) دائرہ پریس، 1974ء، ص:16
36۔ ایضاً، ص:15
37۔ ایضاً ً، ص:16